رحمت عالم ﷺ اور مسئلہ غلامی

سید عزیز الرحمٰن

Blesser of the World (peace be upon him) and the Issue of Slavery

Personal and physical freedom, justice and equality of a human being is considered to be the primary and core issue discussed under the topic of human rights, which has always been exposed to vulnerability and harmfulness. In this context, slavery appears as an important human problem. Unfortunately, Islam has been victimised on the issue of slavery. The reason for this attitude is that the right information on the subject of slavery has not been properly defined and explained. There is a baseless misconception about Islam on the issue of slavery, which has been rhetorically repeated. In fact, the problem of slavery was solved in such a judicious manner by the Holy Prophet (peace be upon him), which is matchless in the human history.

This article attempts to study the problem of slavery in the historical perspective. It elaborates the right concept and wisdom used by the Holy Prophet (peace be upon him) in abolishing slavery and giving the status and human rights to the slaves.

انسانی حقوق کے ابتدائی اور بنیادی مسائل میں سے ایک انسان کی شخصی اور جسمانی آزادی ہے۔ جسے ہمیشہ شدید ترین خطرات رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم مسئلہ غلامی کا مسئلہ ہے۔ یہ ان چند مسائل میں سے بھی ایک ہے جن کے بارے میں صحیح معلومات لوگوں کے سامنے کبھی نہیں لائی گئیں۔ اور غلط معلومات اور پروپیگنڈے کو بنیاد بنا کر بالکل غلط الزامات اسلامی تعلیمات اور اسلامی کردار کے حوالے ہمیشہ سے دہرائے جاتے رہے ہیں۔ اس لئے اس مسئلے کو خاص طور پر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ حقیقت تو یہ

ہے کہ اس مسئلے میں بھی آپ ﷺ کی تعلیمات انسانی نقطۂ نظر سے خاص امتیاز کی حامل ہیں۔ آپ نے اس انسانی مسئلے کو جس خوبی سے حل کیا اور جس طرح غلاموں کو واپس انسانی دائرے میں شامل کیا، اس کی مثال بھی پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

اصل میں ملازمین ہماری معاشرت اور گھریلو زندگی کا لازمی جز ہیں، وہ ہمارے ساتھ زندگی کا بہت اہم و بڑا حصہ گزارتے ہیں، اور ہماری ضرورتوں کی تکمیل کا بڑی حد تک ان پر انحصار ہوتا ہے، لیکن یہ قدرت کا نظام ہے اور فطرت کا قانون کہ کچھ لوگ جو ہم ہی جیسا وجود رکھتے ہیں، ہماری طرح کے اعضا کے مالک ہوتے ہیں، ان کی تشکیل بھی اسی مادے سے ہوتی ہے، جس سے طبقۂ اشرافیہ کے کسی اعلیٰ ترین فرد کی ہوتی ہے، لیکن چوں کہ قدرت کو اس کائنات کا نظام برقرار رکھنا ہے، اس لئے سماجی اعتبار سے تفاوت قائم کر کے معاشرت کے نظم ونسق کو قائم کیا گیا ہے، یہ ایک ناگزیر ضرورت تھی، مگر اس کی بنا پر کسی طبقاتی تقسیم کی گنجائش پیدا نہیں کی جاسکتی، نہ سماجی مراتب کو کسی کے اعلیٰ یا ادنیٰ ہونے کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے، کیوں کہ قرآن حکیم نے عزت واحترام کی کسوٹی تقوے کو قرار دے کر باقی تمام راستوں کو بند کر دیا، فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (۱)

اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

جس طرح موجودہ دور میں خادم اور ملازم خاندان کا لازمی حصہ شمار ہوتے ہیں، ماضی میں اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت غلاموں کو حاصل تھی، اور غلام و باندی کسی بھی خاندان کا جزو لاینفک متصور ہوتے تھے۔ اس دور میں ان کی حالت کچھ زیادہ ہی بری تھی، کیوں کہ وہ مال ومتاع خیال کئے جاتے تھے، انہیں اپنی ذات پر ذرا بھی اختیار نہ تھا جب کہ آج کے دور میں نوکر و خادم تو تن خواہ دار ہوتے ہیں اور انہیں چھوڑ جانے کا اختیار بھی حاصل ہے، لیکن غلام ایک بالکل بے بس مخلوق تھی جس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ نبیٔ رحمت ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے انسانیت کی جبین سے غلامی کے اس بدنما داغ کو مٹانے کی بھرپور کوشش فرمائی ہے۔ آپ ہی انہیں سب سے پہلے انسانیت کے دائرے میں لے کر آئے ہیں، آپ نے لوگوں کو بتایا کہ یہ بھی تمہاری ہی طرح کی اللہ کی ایک مخلوق ہیں، ان کے بھی کچھ حقوق تمہارے ذمے ہیں۔

انسانی غلامی تاریخ انسانی کی قدیم ترین روایت ہے۔ قدیم ترین انسانی کی تاریخ جو ہمارے سامنے آئی ہے اس میں بھی غلامی کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہے۔ حمورابی کے سنگی لوحِ آئین میں بھی غلام کا ذکر اور اس کی معاشرتی حیثیت سے واضح اشارے ملتے ہیں۔ یونان کی شہری ریاستوں میں غلام کا

وجود معاشرے کے ایک قائم بالذات طبقے کی حیثیت سے ملتا ہے۔ اسی طرح رومیوں کے معاشرے میں بھی غلاموں کی کثرت اور ان کی رنج و مشقت کی زندگی کی طویل داستانیں ہماری نظروں سے گزرتی ہیں۔ ایران و ہند کے قدیم تہذیبی عناصر کے اجزائے ترکیبی میں بھی غلام کا وجود شامل ہے۔ یہ غلام اجنبی اقوام سے جنگ، اغوا یا بردہ فروشی کے ذریعے حاصل کئے جاتے تھے۔ خود اپنی قوم کے افراد کو بھی قرض کی نادہندگی یا کسی جرم کی پاداش میں غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کا رواج موجود تھا۔ فتوحات کی کثرت سے غلاموں کی کثرت میں بھی ہوئی اور جب فتوحات کے دھارے خشک پڑنے لگے تو بردہ فروشی نے غلاموں کی نئی کھیپوں کی فراہمی اپنے ذمے لی۔ یہ غلام زراعت، تجارت وصنعت کے علاوہ گھریلو کاموں کی انجام دہی پر مقرر کئے جاتے تھے۔ بہ وقت ضرورت ان سے جنگوں میں بھی کام لیا جاتا تھا۔ عرب قبل از اسلام میں بھی غلامی کا رواج تھا، یہاں جو غلام موجود تھے وہ ان تمام معلوم ذرائع سے حاصل کئے جاتے تھے جو اس عہد کی متمدن اقوام میں رائج تھے۔ بردہ فروشی اور اسیران جنگ کے ذریعے جو غلام ہاتھ آئے تھے وہ لازماً غیر عرب ہی نہ ہوتے تھے، بل کہ ان میں عرب کے مختلف قبائل کے افراد کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ افراد مغلوب قبائل سے تعلق رکھتے تھے، اسی طرح اغوا کر کے بھی بھولے بھٹکے اور تنہا سفر کرنے والوں کو غلام بنانے کا عام رواج تھا۔ (۲)

غلامی عہد جدید میں

غلامی کی ایک قدیم تاریخ ہے، جس کا احاطہ تفصیل کا متقاضی ہے، یہاں ہم صرف عہد جدید کے چند تاریخی اشاروں پر اکتفا کرتے ہیں۔ پرتگالی جدید دور میں غلامی کاروبار پرتگال اور اسپین کے رہنے والوں نے شروع کیا ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ پرتگالی ملاح Antam Gonsalves نے مراکش کے ساحل سے چند مور (مسلمانوں) کو گرفتار کیا۔ بادشاہ ہنری The Navigator 1394-1460 نے حکم دیا کہ ان کو لے جا کر افریقہ میں بیچ دو۔ اس نے دس عدد حبشیوں اور ایک مخصوص مقدار سونا وصول کر کے ان کو فروخت کر دیا۔ یہاں سے جدید دورِ غلامی کا آغاز ہوا۔ ۱۴۹۴ء میں کولمبس نے امریکہ سے ۵۰۰ ہندوئے احمر (ریڈ انڈین) کو اسپین بھیجا۔ ان کو اشبیلیہ کی نخاس میں برسرِ عام فروخت کر دیا گیا۔ Nicholas De Ovando (۱۵۰۲ء) نے غلاموں کو لے جا کر جزیرہ ہیٹی Haiti میں آباد کیا اور وہاں ان سے کاشت کرائی۔ ۱۵۱۷ء میں ہیٹی کے ہر اسپینی باشندے کو دس حبشی غلام رکھنے کی اجازت مل گئی۔ بعد میں چارلس پنجم (۱۵۱۵ء تا ۱۵۵۵ء) نے سالانہ ۴ ہزار نیگرو غلاموں کو جزیرہ ہیٹی میں

لے جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد پرتگالی قوم کی تمام توجہ غلامی کی تجارت کی طرف ہوگئی، اور اس کو خوب فروغ دیا۔ پرتگالیوں نے ہندوستان میں بھی غلاموں کی منڈیاں قائم کردی تھیں۔ کوکن (بمبئی) گوادر (بلوچستان)، بندر ہرمز میں یہ منڈیاں قائم تھیں۔ سندھ اور بلوچستان میں شیدی اسی زمانے سے آئے ہوئے ہیں۔

غلامی کے آغاز اور ارتقا کے حوالے سے چند اور اشارے ملاحظہ کیجئے۔ مشرقی ممالک سے تجارت کرنے کے لئے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۵۹۵ء میں قائم ہوئی۔ انہوں نے غلامی کی تجارت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، وہ افریقہ سے غلاموں کو لے جا کر امریکہ میں فروخت کرتے تھے اور بیش از بیش نفع کماتے تھے۔ ڈچ قوم نے ملایا اور انڈونیشیا پر حکومت کی۔ اس لئے انہوں نے حبشیوں کے علاوہ ملائی لوگوں کو بھی غلام بنایا۔ ملائی غلاموں کی حالت زبوں کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ سترہویں صدی عیسوی میں ۳۰۰ ملائی مسلمانوں کو غلام بنا کر زنجیروں میں باندھ کر ملایا سے کیپ ٹاؤن افریقہ میں لائے تھے۔ ان سے کاشت کرائی جاتی تھی۔ سخت محنت ومشقت کرائی جاتی تھی۔ سخت مزاج جلادان پر مامور تھے۔ نماز تو کیا، کلمہ ادا کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ مگر یہ خدا مست لوگ بڑی عزیمت والے لوگ تھے۔ جب وہ رات کو ڈربوں میں واپس آتے، اور ان کے نگران سو جاتے تو وہ لوگ ایک پہاڑی کے اوپر جاتے تھے۔ وہاں دن بھر کی نمازیں قضا ادا کرتے تھے۔ انتہائی دشمنی کے ماحول میں بھی وہ دین کے احکام پورے کرتے تھے۔ ۸۰ سال بعد انگریزوں نے کیپ ٹاؤن پر حملہ کیا۔ ڈچوں نے ان غلاموں کو لڑنے کے لئے روانہ کیا۔ انہوں نے بے جگری سے لڑ کر حملہ آور کر بھگا دیا۔ ڈچ ان سے خوش ہوگئے۔ اس بہادری کے صلے میں ان غیور مسلمانوں نے صرف نماز پڑھنے اور مسجد بنانے کی اجازت طلب کی۔ اس طرح ۸۰ سال بعد وہاں مسجد بنی اور آزادی سے نماز ادا کی گئی۔

اسی طرح انگریزوں نے ۱۶۲۰ء میں امریکہ کی آبادکاری کے ساتھ ہی یہاں غلاموں کو لاکر آباد کرنا شروع کر دیا۔ ۱۶۸۹ء میں ولیم آف آرنج نے غلاموں کی تجارت کی عام اجازت دے دی۔ اس کے بعد انگریز قوم اس نفع بخش تجارت میں پوری قوت سے مشغول ہوگئی۔ ۱۷۳۲ء میں جارج دوم نے صرف اس قدر ہدایت دی کہ ''غلاموں کی تجارت جاری رکھو، البتہ مسیحی مذہب کا خیال رکھنا۔'' یہ تدریج کمپنی نے دوسری قوموں کو میدان سے باہر نکال دیا۔ ۱۷۱۳ء سے ۱۷۴۳ء تیس سال تک تو عملاً انگریز قوم کی اجارہ داری رہی۔ ۱۷۹۰ء میں امریکی ریاست ورجینا میں دو لاکھ حبشی غلام موجود تھے۔ ۱۶۸۹ء سے ۱۷۷۶ء تک ایک صدی میں اکیس لاکھ تیس ہزار غلاموں کو امریکہ منتقل کیا گیا۔ انگریزی حکومت ہندوستان میں بھی

قائم ہوگئی تھی۔ انہوں نے یہاں سے ہندوستانیوں کو لے جا کر جزائر فیجی، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا اور کیوبا میں آباد کیا اور ان سے کاشت کرائی۔ (۳)

گرفتاری کا طریقہ

غلاموں کو پکڑنے کا طریقہ بھی نہایت وحشیانہ تھا، عموماً یہ ہوتا تھا کہ مغربی ممالک کی کمپنی کے لوگ آدھی رات کو جا کر کسی گاؤں کو گھیر لیتے تھے۔ پھر اس کو آگ لگا دیتے تھے۔ اس افراتفری میں بھاگتے ہوئے انسانوں کو گرفتار کرتے تھے اور جہازوں میں بھر کر ان کو امریکہ وغیرہ لے جاتے تھے۔ نصف سے زائد تعداد دورانِ سفر غیر انسانی سلوک کی وجہ سے مر جاتی تھی۔ وہاں لے جا کر بھی تشدد کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ان کو زنجیروں میں باندھ کر رکھتے تھے۔ افریقہ کے ساحل پر اور نائیجیریا وغیرہ کے علاقوں میں غلام بنانے کے اڈے قائم تھے، جن کو مغربی قومیں فیکٹریاں بتاتی ہیں۔ ایسی فیکٹریاں ۱۷۹۱ء میں انگریزی ۱۴، فرانسیسی ۳، ڈچ ۱۵، پرتگالی ۵، اور ولندیزی ۴ تھیں۔ اس سال برطانیہ نے ۳۸ ہزار، فرانسیسیوں نے ۲۰ ہزار، ڈچوں نے ۴ ہزار، ولندیزیوں نے ۳ ہزار، پرتگالیوں نے ۱۰ ہزار، کل ۷۴ ہزار غلام برآمد کیے تھے۔ اس وحشیانہ سلسلے کی آدھی سے زیادہ تجارت انگریزوں کے ہاتھ میں تھی۔

انسدادِ غلامی

مذہبی فرقے کو لے کر Quaker کے لوگ اول روز سے غلاموں کی تجارت کے مخالف تھے۔ پھر دوسرے لوگوں نے بھی اس کے خلاف آواز بلند کی۔ مختلف افراد کی کوششوں سے یورپ کا ضمیر بیدار ہوا۔ سب سے اول ڈنمارک کے بادشاہ نے ۱۷۹۲ء میں حکماً یہ تجارت بند کرادی۔ برطانوی پارلیمنٹ نے ۱۸۱۱ء میں اس کو ممنوع قرار دیا۔ برطانوی مقبوضات میں ۱۸۳۴ء میں اس کی تجارت بند ہوئی۔ فرانس نے ۱۸۴۸ء میں یہ مذموم کاروبار بند کیا۔ دوسرا مرحلہ غلاموں کو آزاد کرنے کا تھا۔ انگلستان نے ۱۸۳۷ء میں، برطانوی ہند نے ۱۸۴۳ء میں، ڈچ نے ۱۸۶۳ء میں، امریکہ نے ۱۸۶۳ء میں اور پرتگال نے ۱۸۷۸ء میں غلاموں کو آزاد کردیا۔ تیسرا مرحلہ ان کے مساویانہ حقوق عطا کرنے کا ہے۔ یہ مرحلہ ابھی باقی ہے۔ اس حوالے سے آج سے چودہ سو برس قبل صرف نبیِ رحمت وشفقت ﷺ کی صدائے حریت اوراقِ تاریخ میں محفوظ ہے۔ جس کو بنیاد بنا کر دنیائے انسانیت حریتِ فکر و عمل کے ساتھ آزادی کی اصل نعمت سے سرفراز ہوسکتی ہے۔

غلامی مذاہب عالم میں

اس خالص انسانی مسئلے پر اسلام کا نقطۂ نظر جاننے سے قبل ہم دیکھتے ہیں کہ تین بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور ہندومت کا غلامی کے مسئلے پر کیا نقطۂ نظر ہے، تاکہ ہم اسلامی تعلیمات اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں پر احسانات کا اس نقطۂ نظر سے تقابل کرسکیں۔

یہودیت: یہودیت ہو یا عیسائیت یا ہندومت کسی مذہب میں غلامی کی مذمت میں ایک لفظ نہیں ملتا۔ خصوصاً غلاموں کو آزاد کرنے کا تصور تو کسی کے ہاں موجود تک نہیں ہے۔ یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے۔ نہ غلاموں کے بارے میں ان کے ہاں واضح ہدایات ملتی ہیں۔ ۔ انسانی احترام کے حوالے سے چند باتیں ضرور ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ صرف غلام بنانے، لوگوں کو قید کرنے اور جبری مشقت لینے کا ذکر بار بار ملتا ہے۔ بائبل کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

اگر تو کوئی عبرانی غلام خریدے تو وہ چھ برس خدمت کرے اور ساتویں برس مفت آزاد ہو کر چلا جائے۔ اگر وہ اکیلا آیا ہو تو اکیلا ہی چلا جائے اور اگر وہ بیاہا ہو تو اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ جائے۔ اگر اس کے آقا نے اس کا بیاہ کرایا اور اس عورت کے اس سے بیٹے اور بیٹیاں ہوئی ہوں تو وہ عورت اور اس کے بچے اس آقا کے ہو کر رہیں اور وہ اکیلا چلا جائے۔ پر اگر وہ غلام صاف کہہ دے کہ میں اپنے آقا سے اور اپنی بیوی اور بچوں سے محبت رکھتا ہوں۔ میں آزاد ہو کر نہیں جاؤں گا۔ تو اس کا آقا اسے خدا کے پاس لے جائے اور اسے دروازے پر یا دروازے کی چوکھٹ پر لا کر ستاری سے اس کا کان چھیدے تب وہ ہمیشہ اس کی خدمت کرتا رہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کو لونڈی ہونے کے لئے بیچ ڈالے تو وہ غلاموں کی طرح چلی نہ جائے۔ (۴) اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھی سے ایسا مارے کہ وہ اس کے ہاتھ سے مر جائے تو اسے ضرور سزا دی جائے۔ لیکن اگر وہ ایک دو دن جیتا رہے تو آقا کو سزا نہ دی جائے اس لئے کہ وہ غلام اس کا مال ہے۔ (۵)

اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال واسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ اور ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کی سب چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا۔ اور انہوں نے سارا مالِ غنیمت اور سب اسیر کیا انسان اور کیا حیوان ساتھ لئے۔ (۶)

اس لئے ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل

کر ڈالو۔ لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور اچھوتی ہیں اپنے لئے زندہ رکھو۔ (۷)

اور جو کچھ مالِ غنیمت جنگی مردوں کے ہاتھ آیا تھا اسے چھوڑ کر لوٹ کے مال میں چھ لاکھ پچھتر ہزار بھیڑ بکریاں تھیں۔ اور بہتر ہزار گائے بیل۔ اور اکسٹھ ہزار گدھے۔ اور نفوس انسانی میں سے بتیس ہزار ایسی عورتیں جو مرد سے ناواقف اور اچھوتی تھیں۔ (۸)

خلاصہ یہ ہے کہ یہودی شریعت کی رو سے ایک عبرانی دوسرے عبرانی کو غلام بنانے کے لئے ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا تھا۔

۱۔ کوئی شخص غربت کے باعث قرض ادا نہیں کر سکتا، اس صورت میں ایک امیر کو یہ حق حاصل تھا کہ اس مدیون غریب کی طرف سے اُس کا قرض ادا کر دے اور اس کو اپنی غلامی میں لے لے۔

۲۔ کسی نے چوری کی ہے، اور اب وہ چوری کا مال اس کے مالک کو واپس نہیں کر سکتا تو اس شخص کو یہ حق تھا کہ اپنے آپ کو کسی امیر کے ہاتھ فروخت کر دے اور وہ اس کی طرف سے چوری کا مال ادا کر کے اس شخص کو اپنی غلامی میں قبول کر لے۔

۳۔ والدین کسی بنا پر اپنے بیٹے یا بیٹی کو کسی کے ہاتھ بیچ ڈالیں۔

یہودی غلاموں کی تجارت بھی کرتے تھے۔ لوئس مقدس (Louis the pious) کے عہد میں عیسائی غلاموں کی ایک بڑی تعداد اسپین اور شمالی افریقہ میں لائی گئی تھی۔ یہ لوگ دلالی کرتے تھے، مسلمان غلام عیسائیوں کو اور عیسائی غلام مسلمانوں کو پہنچاتے تھے۔ (۹)

عیسائیت: عیسائیت کی تاریخ میں بھی غلامی کے خلاف کوئی بیان نہیں ملتا۔ بل کہ غلاموں کو اس امر کی تلقین ملتی ہے کہ وہ اپنے آقا کے فرماں بردار رہیں، مسٹر ایل ڈی آگیٹ (L..D.Agate) لکھتے ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودہ تعلیمات میں غلامی کی صاف طور پر مذمت کہیں بھی نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ غلامی کا مخالف گروہ اپنی تائید کے لئے انجیل کی کسی ایک آیت کو بھی پیش نہیں کر سکتا، اس کے بر خلاف غلامی کا حامی گروہ اپنی تائید میں انجیل کے اصل متن (Scripture) کے الفاظ سے استدلال کر سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات کو پیش نظر رکھ کر ایسی تعلیمات تلقین کی ہیں جو عیسائی گرجا اور تاریخ کے دور میں خود بخود حالات کے مطابق کام کرتی رہیں، سینٹ پال کی تعلیمات میں کہا گیا ہے کہ ''آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں'' لیکن اس سے زیادہ وضاحت ہم کو اُس پیغام میں ملتی ہے جو سینٹ پال نے فالمین (Phileman) کے نام بھیجا تھا اور جس میں انہوں نے اس کے بھاگے ہوئے غلام اونیس میس (Onisemus) کو حکم دیا ہے کہ پھر اپنے آقا کے پاس واپس چلا

جائے، سینٹ پال اپنے پیام میں فائلمین سے درخواست کرتا ہے کہ اونیس میس کا گناہ معاف کر دینا چاہئے لیکن نفس غلامی کی مذمت انہوں نے کبھی نہیں کی ہے۔(۱۰)

حضرت عیسیٰ کا ایک حواری غلاموں کو آقاؤں کی تابع داری کا حکم دیتا ہے اور اپنے خط میں بار بار یہ بات دہراتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی یہی تعلیم ہے، وہ کہتا ہے

> اے غلامو! جو جسم کے رو سے تمہارے مالک ہیں اپنی صاف دلی سے ڈرتے اور کانپتے ہوئے ان کے ایسے فرماں بردار ہو، جیسے مسیح کے۔ اور آدمیوں کو خوش کرنے والوں کی طرح دکھاوے کے لئے خدمت نہ کرو بل کہ مسیح کے بندوں کی طرح دل سے خدا کی مرضی پوری کرو۔ اور اس خدمت کو آدمیوں کی نہیں بل کہ خداوند کی جان کر جی سے کرو۔ کیوں کہ تم جانتے ہو کہ جو کوئی جیسا اچھا کام کرے گا خواہ غلام ہو خواہ آزاد خداوند سے ویسا ہی پائے گا۔(۱۱)

جب کہ حضرت عیسیٰ کا ایک اور حواری پطرس اپنے خط میں لکھتا ہے:

> اے غلامو! بڑے خوف سے اپنے مالکوں کے تابع رہو۔ نہ صرف نیکوں اور حلیموں ہی کے بل کہ بدمزاجوں کے بھی۔ کیوں کہ اگر کوئی خدا کے خیال سے بے انصافی کے باعث دکھ اٹھا کر تکلیفوں کی برداشت کرے تو یہ پسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ اگر تم نے گناہ کر کے مکے کھائے اور صبر کیا تو کون سا فخر ہے؟ ہاں اگر نیکی کر کے دکھ پاتے اور صبر کرتے ہو تو یہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے۔(۱۲)

عیسائیت کا یہ عمومی مزاج تھا۔ ان کے ہاں غلامی نے باضابطہ تجارت کی شکل اختیار کر لی تھی اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کے لئے غلاموں کو رکھنا اور ان کی کفالت کرنا ممکن نہ تھا، تب بھی بہ جائے اس کے کہ ان غلاموں کو آزاد کر دیا جاتا، ان کا قتل عام کر دیا گیا۔ چناں چہ پانچویں صدی عیسوی کے اختتام پر عیسائی بادشاہ مارٹیس (Martus) نے ۵۹۹ء میں مزید غلام بنانے، انہیں رکھنے یا جنگی قیدیوں کی کفالت سے انکار کر دیا۔ اور ان کے قتل عام کا حکم دیا۔ اس طرح لاکھوں قیدیوں کو تلوار کی نوک پر رکھ لیا گیا۔(۱۳)

غلامی کی اس جبری روایت سے سب سے زیادہ فائدہ عیسائیت نے اٹھایا، اور اس کی موجودہ تعداد میں اس روایت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جبری غلامی کا کیا عالم تھا اس کی چند جھلکیاں ماقبل کی سطور میں پرتگال کے ذکر میں پیش کی جا چکی ہیں۔ عیسائی بنانے کا طریقہ کار بہت سادہ تھا لوگوں کو اجتماعی طور پر بیک دیا جاتا تھا کہ آج سے تم عیسائی ہو اور تمہارا نیا نام یہ ہے۔(۱۴)

سی آر بوکسر لکھتا ہے:

جس روز وہ غلام جہاز سے اترتے تھے انہیں قریبی چرچ یا کسی اور سہولت کی جگہ پر لے جایا جاتا تھا۔ وہاں ان کو سیکڑوں کے گروہوں میں تقسیم کر کے ایک ہی دفعہ رسم عیسائیت ادا کی جاتی تھی۔ رسم کی بجا آوری پر زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا تھا۔ پادری کہتا تھا کہ تمہارا نام پیٹر، تمہارا جان اور تمہارا فرانسیز ہے۔ ہر آدمی کو کاغذ کی ایک پرچی پکڑا دی جاتی تھی جس پر اس کا نام درج ہوتا تھا۔ زبان پر نمک کی ایک چٹکی رکھ دی جاتی تھی اور مجمع پر مقدس پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جاتا تھا۔ پھر ایک حبشی مترجم ان سے اس طرح خطاب کرتا تھا: دیکھو تم سب پہلے ہی خدا کی اولاد بن چکے ہو۔ اب تم اپنی سرزمین (پرتگال) کی طرف جا رہے ہو، جہاں تمہیں ایمان کی باتیں سمجھائی جائیں گی۔ اب یہ دل میں خیال بھی مت لایئے کہ تم کس سرزمین سے آئے ہو اور یہ کتے، چوہے اور گھوڑے نہ کھائیں۔ اب نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت ہو جایئے۔ (۱۵)

ہندومت: ہندومت پر بھی غلامی کا واضح تصور موجود ہے، ان کے ہاں تمام مذہبی کتب میں غلاموں کا ذکر ملتا ہے، منو کی کتاب میں غلامی کے سات اسباب کا ذکر ہے:

۱۔ جنگ میں گرفتار ہونا

۲۔ نان ونفقے کے لئے بہ رضا ورغبت اپنے آپ کو کسی کے حوالے کر دینا

۳۔ کسی باندی کے بطن سے پیدا ہونا

۴۔ خریدنا

۵۔ بہ طور ہبہ یا تحفتاً حاصل کرنا

۶۔ اپنے بزرگوں سے وراثتاً حاصل کرنا

۷۔ سزا کے ذریعے غلامی کی تحقیر کرنا

ہندومت کا قانون برہمن کی ذمے داری بتاتے ہوئے کہتا ہے:

پڑھنا پڑھانا، قربانی کرنا، کرانا، دان لینا دینا۔ (۱۶)

ہندومت ذات پات کا مذہب ہے۔ سچ یہ ہے کہ غلامی کی قبیح ترین رسم کو دین اور سماج کا جس طرح ہندومت حصہ بناتا ہے، ایسا انسانیت کش رویہ اور کہیں نہیں ڈھونڈا جا سکتا۔ ہندومت میں سب سے اعلیٰ طبقہ برہمن ہے اور سب سے ادنیٰ طبقہ شودر یعنی غلاموں کا ہے۔ منوشاستر میں ان تمام طبقات کی ذمے داریاں

یوں مذکور ہیں۔ منوشاستر میں ہے:

قادر مطلق نے دنیا کی بہبودی کے لئے اپنے منہ سے اور اپنے بازوؤں اور اپنی رانوں سے اور اپنے پیروں سے برہمن، چھتری، ویش اور شودر کو پیدا کیا، اور اس دنیا کی حفاظت کے لئے ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ فرائض قرار دیئے۔ برہمنوں کے لیے وید کی تعلیم اور خود اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دیوتاؤں کے چڑھاوے دینا اور دان دینا، لینا کا فرض قرار دیا۔ چھتری کو اس نے حکم دیا کہ وہ خلقت کی حفاظت کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے وید پڑھے اور خواہشات نفسانی میں نہ پڑے، ویش کو اس نے حکم دیا کہ مویشی کی سیوا کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے، وید پڑھے، تجارت، لین دین اور زراعت کرے، اور شودر کا ایک ہی فریضہ ہے کہ وہ ان تینوں کی خدمت کرے۔

ہندو واحد مذہب ہے جس کے ہاں خیرات وصدقات بھی صرف مال دار لوگ لے اور دے سکتے ہیں، یعنی وہ رقوم جو ہر قوم میں غریب اور زیردست طبقات میں تقسیم کی جاتی ہیں، ہندومت میں ان کا بھی برہمن ہی حق دار ہے، شودر (اچھوت) کو اس سے بھی کچھ لینے کا حق حاصل نہیں ہے۔

شودر جو آج بھی ہندوستان میں نصف کے لگ بھگ ہیں، ہندومت کے مطابق پیدائشی طور پر غلام ہیں، وہ ان کے خیال میں برہما کے قدموں سے پیدا ہوئے ہیں، اس لئے غلامی ان کے جسم کا حصہ ہے، اگر ان کا مالک آزاد کر دے تب بھی غلامی سے نہیں نکل سکتے۔ ان پیدائشی غلاموں یعنی شودر کے لئے ہندومت میں جو احکامات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ برہمن کے لئے جائز ہے کہ وہ شودر کو اپنی خدمت پر مجبور کرے خواہ اس نے اس کو خریدا ہو یا نہ خریدا ہو۔

۲۔ شودر آقا اگر اس کو آزاد کر دے تب بھی اس کو ہر وقت اختیار حاصل ہے کہ جو خدمت چاہے لے، کیوں کہ غلامی اس کے وجود جز ولاینفک ہے جو آزاد کر دیے جانے پر بھی اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔

۳۔ کسی شودر کے ہاتھ سے اگر کسی برہمن کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس کے لئے قتل کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔

۴۔ کسی شودر کی زبان سے کسی برہمن کے لئے گالی کا کوئی کلمہ نکل جائے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی زبان پکڑ کر گدی سے باہر کھینچ لی جائے۔

۵۔ کوئی شودر کسی برہمن یا اس کے خاندان کو حقارت آمیز کلام سے خطاب کرے تو اس کی سزا یہ ہے

کہ ایک خنجر جس کا طول دس انگل ہو سخت گرم کرانے کے بعد اس کے منہ میں رکھا جائے۔

۶۔ جو چیزیں برہمنوں کے واجبات سے متعلق ہیں ان میں کسی ایک کی نسبت اگر کسی شودر کی زبان سے کوئی کلمۂ نصیحت ادا ہو تو بادشاہ پر فرض ہے کہ کھولتا ہوا تیل اس کے منہ اور کانوں میں ڈلوائے۔

۷۔ برہمن اگر کسی شودر کی چوری کرے تو اس کی سزا صرف یہ ہے کہ شودر کو مال کا تاوان دلا دیا جائے، لیکن یہ جرم شودر سے کسی برہمن کے لئے صادر ہوتا تو اس کی سزا یہ ہے کہ شودر کو جلا دیا جائے۔

۸۔ کسی حاکم کو مارنے کی جسارت کسی شودر سے سرزد ہو جائے تو چاہیے کہ زندہ ہی بھون لیا جائے، لیکن کوئی برہمن اگر ایسی حرکت کر بیٹھے تو اس کو صرف تاوان خیانت دینا پڑے گا۔(۱۷)

نبیٔ اکرم ﷺ اور غلام

ان تمام مذاہب اور مذہبی رہنماؤں سے بڑھ کر اور امتیازی شان تکمیل کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمیں غلاموں کے بارے میں واضح ہدایات دیتا ہے، اور ہمیں راہ اعتدال کی تلقین کرتا ہے۔

بعثت نبوی کے وقت دو طرح کی غلامی عام طور پر رائج تھی، ایک تو تھی بردہ فروشی۔یعنی آزاد افراد کو زبردستی پکڑ کر بیچ دینا، یا اغوا کر کے فروخت کر ڈالنا۔ دوسری صورت تھی جنگ میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کو گرفتار کر غلام بنالینا۔ اسلام نے غلامی کی اس جاری رواج میں دو طرح کی اصلاحات کیں، ایک تو اول الذکر صورت کو یک سر ختم کر دیا اور اسے قطعاً ممنوع قرار دیا، بلکہ نبیٔ رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

> **عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال الله ثلاثة انا خصيمهم يوم القيامة، رجل اعطی بی ثم غدر، و رجل باع حرا فاكل ثمنه، و رجل استاجر أجيرا فاستوفی منه و لم يعطی أجره (۱۸)**

رہا معاملہ ان غلاموں کا جو جنگ کی صورت میں قید ہو کر آتے تھے، اس سلسلے میں آپ ﷺ نے کئی نوعیتوں کے اقدامات تجویز فرمائے۔

۱۔ ان قیدیوں کے بارے میں کئی طرح کی صورتیں تجویز فرمائیں، مثلاً انہیں فدیہ دے کر رہا کر دیا جائے، اپنے قیدیوں کو ان کے تبادلے میں رہا کرالیا جائے، یا محض احسان کرتے ہوئے انہیں رہا کر دیا جائے۔ لیکن اگر حالات کا تقاضا یہ ہو کہ ان تینوں صورتوں پر یا ان میں کسی ایک پر عمل درآمد مصالح کے خلاف ہو تو پھر انہیں غلام بھی بنایا جا سکتا ہے۔

۲۔ دوسرا اقدام اسلام نے یہ فرمایا کہ غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی اور اس کے فضائل بیان فرمائے۔

۳۔ تیسرا اہم اقدام یہ کیا کہ غلاموں کو آزاد کرنا عبادت کا حصہ بنا دیا اور بہت سی ایسی صورتوں میں جب انسان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو کفارے کے طور پر غلاموں کو آزاد کرنے کی اجازت دے دی اور غلاموں کی آزادی کو بہت سے گناہوں کا کفارہ قرار دے دیا۔

۴۔ اس طرح چوتھا اقدام یہ کیا کہ بہت سی قانونی شقیں قائم فرمائیں جن میں غلام خود بہ خود آزاد ہو جاتے تھے۔ مثلاً کوئی باندی اپنے آقا کے بچے کی ماں بن جائے تو وہ ام ولد کا رتبہ پا کر خود بہ خود آزاد تصور کی جائے گی، اسی طرح اگر کوئی غلام اپنے آقا سے مکاتبت کر لے اور اسے یہ پیشکش کرے کہ اتنی رقم میں لا کر دے دیتا ہوں، جس کے بدلے میں رہائی کا حق دار ہوں گا۔ تو آقا پر لازم قرار دیا کہ وہ اس کی یہ پیشکش قبول کرے، اور نہ صرف یہ بل کہ رقم تو ایک متعینہ مدت میں ادا ہوگی مگر مکاتیب پر بہت سے احکامات آزادی اسی روز سے لاگو ہو جائیں گے۔

غلامی کی حوصلہ شکنی بل کہ سلسلۂ غلامی کے انہدام کے سلسلے میں اسلام کے یہ اقدامات اس قدر واضح ہیں کہ اسلام کو بہ جا طور پر آزادی اور حرمت کا مذہب قرار دیا جا سکتا ہے، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اسوۂ حسنہ کو غلاموں کے لئے حیات نو سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اصل میں پہلی دو حقیقتیں ہمارے پیش نظر رہنا چاہئیں، ایک تو یہ کہ تمام انبیائے کرام برحق مذہب کے پیروکار تھے، ان کی تعلیمات بہ جا طور پر اللہ تعالیٰ کی وحی پر مشتمل تھیں۔ مگر وہ ایک خاص دور کے لئے اور خاص قوم کے لئے تھیں۔ اس لئے ان میں عالمگیریت اور ابدیت کا تلاش کرنا بے معنی اور کار عبث ہے۔

دوسری جانب ان کی تعلیمات ہم تک درست حالت میں بھی نہیں پہنچ سکیں، ان میں بہت تحریف ہوئی ہے، بہت اضافے اور ردوبدل کیا گیا ہے، مگر آپ شانِ کریمی کے ساتھ ساتھ شانِ تکمیل کے ساتھ بھی متصف فرمائے گئے آپ کا عہد تا قیامت آنے والے ہر فرد کا عہد ہے، اس لئے آپ نے ان تمام معاملات کو تکمیل تک پہنچا دیا جو آپ کی آمد تک تکمیل کے محتاج تھے۔ غلامی کا مسئلہ بھی ایک ایسا ہی مسئلہ ہے، حضرت عیسیٰؑ کی آمد تک انسانیت کا ارتقا اس مقام تک نہیں پہنچا تھا کہ وہ اس خالص انسانی مسئلے کی حقیقت کو جان سکتا، اور اس کے لئے صحیح لائحۂ عمل وضع کر سکتا۔ اسلام کی آمد اور نبی رحمت ﷺ کی بعثت مبارکہ نے یہ موقع فراہم کر دیا کہ انسانیت اس انسانی مسئلے پر خالص انسانیت کے پہلو سے سوچے اور درست نہج پر صحیح قدم اٹھائے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاموں سے خصوصی تعلق تھا۔ آپ ﷺ ان پر خاص شفقت فرماتے تھے، آپ کا ارشاد مبارک ہے:

عن ابی ذرؓ قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم من لاء مکم من مملو ککم فأطعموہ مما تاکلون واکسوہ مما تلبسون و من لم یلائمکم فبیعوہ ولا تعذبوا خلق اللہ (۱۹)

جو غلام تمہارے مزاج کے مطابق ہوں تو جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ اور جو نا موافق ہوں انہیں بیچ دو اور خلق خدا کو عذاب نہ دو۔

آں حضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے تھے آپ ان کو ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے، لیکن وہ حضور کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے، ماں باپ، قوم قبیلے اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے، زید بن حارثہؓ ایک غلام تھے، آں حضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا، انہیں ان کے والد لینے آئے لیکن وہ آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور ان کے ساتھ جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ (۲۰)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسلام کے احکامات کا ہی نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے ہاں غلاموں اور باندیوں سے حسن سلوک کی عام روایت قائم ہوگئی تھی، اس حسن سلوک کا پہلا مظہر یہ تھا کہ مسلمان بڑی تعداد میں غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے، اسلام نے اس کام کو عظیم نیکی قرار دیا، اسلام میں غلاموں کی یہ اہمیت ابتدائی دور ہی سے قائم رہی۔ سورۂ بلد میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی، جن کاموں کو ''گھاٹی'' بتایا گیا ہے، ان میں ایک فَكُّ رَقَبَةٍ یعنی گردن سے غلامی کی رسی کو کھولنا بھی ہے، چناں چہ مکہ کی پرخطر زندگی میں بھی حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے اہل ثروت مسلمانوں نے بہت سے غلاموں کو کافروں سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ مدینے آکر اس تحریک نے اور فروغ پایا اور تَحرِيرُ رَقَبَةٍ یعنی گردن کو آزاد کرنا بہت سی فروگزاشتوں کا کفارہ قرار پایا اور غلاموں کے آزاد کرنے کے لئے بہت سی ترغیبات کا اعلان کیا گیا ہے، صحابہ نے اپنے پیغمبر کی اس آواز پر لبیک کہا اور چند روز میں غلاموں کی دنیا کچھ سے کچھ ہوگئی۔ حضرت حکیم بن حزامؓ نے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے ہیں، اسلام کے بعد سو غلام آزاد کئے۔ حضرت عائشہؓ نے صرف ایک قسم کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کئے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر نے ایک ہزار اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے تیس ہزار غلاموں کو آزادی عطا کی۔ (۲۱)

ملازموں، غلاموں سے حسن سلوک کے زمرے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انہیں تکالیف نہ دی

جائیں، خصوصاً طاقت سے زیادہ بوجھ ان پر نہ لادا جائے، نہ انہیں کسی ایسے کام کا مکلف بنایا جائے جو ان کی طاقت سے باہر ہو، دور غلامی میں غلاموں اور باندیوں پر تشدد کیا جاتا تھا، لیکن نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی۔

عن ابیه عن ابی مسعود الانصاری قال کنت اضرب غلاما لی فسمعت من خلفی صوتا، اعلم ابا مسعود قال ابن المثنی مرتین الله اقدر علیك منك علیه فالتفت فاذا هو رسول الله ﷺ فقلت یا رسول الله هو حر لوجه الله قال اما لو لم تفعل اما انك لو لم یفعل للفعتك النار او لمستك النار (۲۲)

ایک بار ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ نے یہ دیکھ کر پیچھے سے آواز دی کہ اے ابومسعود جان لو کہ اللہ تم پر اس سے زیادہ اختیار رکھتا ہے جتنا تم اس پر رکھتے ہو، انہوں نے فوراً عرض کیا یا رسول اللہ یہ اللہ کی رضا کے لئے آزاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں جہنم کی آگ اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔

عن معاویة بن سوید بن مقرن قال لطمت مولی لنا فدعاہ ابی ودعانی فقال اقتص منه فانا معشر بنی مقرن کنا سبعة علی عهد النبی ﷺ ولیس لنا الا خادم فلطمها رجل منا، فقال رسول الله ﷺ اعتقوها قال انه لیس لنا خادم غیرها قال فلتخدمهم حتی یستغنوا، فاذا استغنوا فلیعتقوها (۲۳)

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر غلام تمہارے موافق نہ ہو تو تم اسے بیچ ڈالو۔ یعنی اگر تمہیں خادم کی کوئی بات پسند نہیں یا اس کا مزاج نا قابل قبول ہے تو تم اسے بیچ ڈالو، اس کی جگہ دوسری غلام خریدلو، لیکن تمہیں یہ حق قطعاً حاصل نہیں کہ اسے تشدد کا نشانہ بناؤ یا اس پر ظلم وستم کرو۔ (۲۴)

آپ ﷺ نے غلاموں کو ہمیشہ برابر کا درجہ عطا فرمایا، اور مسلمانوں کو یہی تعلیم دی کہ ان کے ساتھ مساوات پر مبنی سلوک کریں، انہیں کسی بھی معاملے میں کم تر تصور نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

عن ابی ذر رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اخوانکم جعلهم الله تحت ایدیکم، فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمه مما یأکل، ولیکسه مما یلبس، ولا یکلفه ما یغلبه، فان کلفه ما یغلبه فلیعنه (۲۵)

تمہارے کچھ بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ اگر کسی

ہاتھ میں اللہ نے اس کے بھائی کو دیا ہو تو اس کو چاہئے کہ جو خود کھائے وہی اسے کھلائے ، جو خود پہنے وہی اسے پہنائے۔ اس کے ذمہ اتنا کام نہ ڈالے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو۔ اور اگر کام زیادہ ہو تو اس کی مدد کرے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کا خادم کھانا لائے اور وہ (کسی وجہ سے) اسے اپنے ساتھ نہ بٹھا سکے تو اس کو ایک یا دو لقمے ضرور کھلانا چاہئے۔ (۲۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا تیار کر کے تمہارے پاس لائے اور کھانا تیار کرنے میں اس نے گرمی اور دھوئیں کو برداشت کیا ہو تو چاہئے کہ اسے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ۔ اگر کھانا کم ہو تو ایک دو لقمے ہی اسے دے دو۔ (۲۷)

اسی طرح آپ کی تلقین ہے کہ غلاموں سے عفو و درگزر کا رویہ رکھنا چاہئے۔ روایت میں آتا ہے، کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم اپنے خادم کی غلطیوں سے کس حد تک درگزر کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی۔ آپ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ سوال پر آپ نے فرمایا:

اعفو عنه فی کل یوم سبعین مرة (۲۸)

اگر دن میں ستر مرتبہ بھی غلطی کرے تو درگزر سے کام لو اور معاف کرتے رہو۔

غلاموں کو لفظ غلام میں اپنی ذلت محسوس ہوتی تھی، آں حضرت کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی، آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص میرا غلام، میری لونڈی نہ کہے، میرا بچہ میری بچی کہے اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں، خداوند خدا ہے، آقا کہیں۔ (۲۹)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلاموں کا اس قدر احساس تھا کہ مرض وفات میں آپ نے سب آخری وصیت جو فرمائی، اس میں بھی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی سختی سے تاکید فرمائی، آپ ﷺ کی آخری وصیت کے یہ الفاظ منقول ہیں:

الصلاة، الصلاة، اتقوا الله فیما ملکت ایمانکم (۳۰)

نماز، نماز، غلاموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔

ایک صحابی رسولؐ نے ایک بار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے دو غلام ہیں جو میری تکذیب کرتے ہیں، خیانت کرتے ہیں، میری نافرمانی کرتے ہیں۔ میں ان کو مارتا ہوں، برا بھلا کہتا ہوں، تو میرا عمل کیسا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر تمہاری سزا ان کے جرم کے برابر ہوگی تو ٹھیک ہے ورنہ اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے کم ہوگی تو تمہیں اجر ملے گا اور اگر ان کے جرم سے زائد ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس پر سزا دے گا۔

یہ سن کر وہ صاحب رونے لگے، آپ نے فرمایا کیا تم نے کتاب اللہ کی یہ آیت نہیں پڑھی۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ۝ (۳۱)

اور روز قیامت ہم میزان عدل قائم کریں گے، پھر کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کوئی عمل) ہوگا تو ہم اس کو بھی لائیں گے اور حساب کرنے کے لئے ہم کافی ہیں۔

اس شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! میں ان غلاموں کو اپنے آپ سے جدا کرنے سے بہتر کوئی صورت نہیں پاتا، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سب آزاد ہیں۔ (۳۲)

آپ ﷺ کا ایک اسوۂ حسنہ بھی اسی ضمن میں ہم سب کے لئے مثالی اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات محض تعلیمات نہیں ہیں نہ آپ کے پیش کردہ نظریات محض نظریات ہیں بل کہ یہ نظریے اور تعلیمات عملی ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہوکر خود نبی رحمت وشفقت ﷺ ہمارے لئے راہِ عمل متعین کر چکے ہیں۔ آپ ﷺ کا اپنا عمل بھی اس ضمن میں ہم سب کے لئے مثالی اسوہ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات محض تعلیمات نہیں ہیں، نہ آپ ﷺ کے پیش کردہ نظریات محض نظریات ہیں بل کہ یہ نظریے اور تعلیمات عملی ہیں، جن پر عمل پیرا ہوکر خود نبی رحمت وشفقت ﷺ پوری انسانیت کے لئے راہِ عمل متعین فرما چکے ہیں۔

چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک خادموں اور غلاموں کے ساتھ کس قسم کا تھا، اس کی مثال آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ سے سنئے، وہ فرماتے ہیں:

واللہ لقد خدمته سبع سنین او تسع سنین ما علمت قال لشئ صنعت لم فعلت کذا و کذا؟ ولا لشئ ترکت، هلا فعلت کذا و کذا (۳۳)

ایک بار آپ نے مجھے کسی کام سے بھیجنا چاہا، میں نے انکار کردیا، آپ ﷺ خاموش ہوگئے، میں باہر چلا گیا، اچانک آپ نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑ لی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ کھڑے مسکرا رہے ہیں، پھر فرمایا انسؓ! جس کام کے لئے کہا تھا اب تو جاؤ، میں نے عرض کیا کہ جاتا ہوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی واقعے کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سات برس تک آپ ﷺ کی خدمت

کی، مگر کبھی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا یہ کام کیوں نہ کیا؟

یہ چند حوالے اس امر کی وضاحت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ سیرتِ طیبہ اور سوۂ حسنہ کی روشنی میں واضح ہونے والی صورت حال س صورت حال سے یک سر مختلف ہے، جو اقوام عالم کی تاریخ اور ان کے مذہبی لٹریچر سے سامنے آتی ہے۔ نبی رحمت وشفقت ﷺ کا اسوۂ حسنہ یقیناً اس میدان میں بھی ہمیں وہ راہ نمائی فراہم کرتا ہے جو انسانیت کو آج مطلوب ہے، جس کے بغیر اس کے دکھوں کا مداوا ممکن نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ الحجرات:۱۳

۲۔ پروفیسر علی محسن صدیقی۔ مقالات تاریخی۔ قرطاس، کراچی، مارچ ۲۰۰۴ء: ص ۲۶

۳۔ پروفیسر سید محمد سلیم۔ مسلمان اور مغربی تعلیم۔ لاہور، ادارہ تعلیمی تحقیق ۱۹۸۵ء: ص ۳۵۰

۴۔ خروج: باب ۲۱۔ ۲ تا ۸

۵۔ خروج: باب ۲۱۔ ۲۰ تا ۲۱

۶۔ گنتی: باب ۳۱۔ ۹ تا ۱۱

۷۔ گنتی: باب ۳۱۔ ۱۷ تا ۱۸

۸۔ گنتی: باب ۳۱۔ ۳۲ تا ۳۵

۹۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ اسلام میں غلامی کی حقیقت۔ ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۶۰ء: ص ۲۵

۱۰۔ اکبر آبادی: ص ۱۹

۱۱۔ افسیون: باب ۶۔ ۵ تا ۹

۱۲۔ پطرس ۱: باب ۲، ۱۸ تا ۲۰

13. Hasan M. Rawat, Slave Trade in Africa. World Muslim Congress, 1985. Karachi PP.17

۱۴۔ میاں محمد اشرف۔ غلامی ایک تاریخی جائزہ، اسلام آباد، فروغ علم اکیڈمی، ۲۰۰۵ء: ص ۲۹

15. Slave Trade in Africa pp59

۱۶۔ منوسمرتی: ۱۔ ۸۸۔ ۲

۱۷۔ اکبر آبادی: ص ۲۹، ۲۹

۱۸۔ بخاری: ج ۲، ص ۷۷۶، رقم ۲۱۱۴

۱۹۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۶۱

۲۰۔ الطبقات الکبریٰ: ج ۳، ص ۴۰۔ ۴۷
۲۱۔ شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی: ج ۶، ص ۱۵۷۔ ۱۵۸
۲۲۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۵۹
۲۳۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۸۱، رقم ۵۱۶۷
۲۴۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۶۱
۲۵۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۵۸
۲۶۔ بخاری: ج ۲، ص ۵۷
۲۷۔ مسلم: ج ۳، ص ۱۰۷، رقم ۱۶۶۳
۲۸۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۸۰، رقم ۵۱۶۴
۲۹۔ بخاری: کتاب العتق، باب کراہیۃ التطاول۔ ج ۳، ص ۱۲۴
۳۰۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۳۷۸، رقم ۵۱۵۶ ☆ ابن ماجہ: رقم ۲۶۹۸
۳۱۔ الانبیاء: ۴۷
۳۲۔ احمد بن محمد بن حنبل۔ المسند۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء: ج ۷، ص ۳۹۸
۳۳۔ ابوداؤد: ج ۴، ص ۲۶۳، رقم ۴۷۷۳

واقعاتِ سیرت طیبہ کا جامع اشاریہ

قمری اور شمسی تقویم کے ساتھ ایک قیمتی پیش کش۔ حوالے کی کتاب

عکسِ سیرت

ترتیب: سید فضل الرحمٰن توقیت: پروفیسر ظفر احمد

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/ ۱۷۔ ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔ فون: ۳۶۶۸۴۷۹۰

info.rahet.org